

پوری پوری کھڑکی سے باہر بھاٹکا اور پھر اچھے بچوں کی طرح بستہ پر لیٹ گیا۔ پندرہ میں منٹ بعد وہ واپس آئی تو دوپھوئے ہوئے شاپنگ بیگ اس کے ہاتھوں میں تھے اور وہ پچھے ہاٹپر رہی تھی۔ اس کے ماتحت پر پیشہ تھا۔

” یہ تمہیں طاقتور بنائے کے لئے خوارک ہے؟“ اس نے بیگ میز پر کہ دیئے اور ان میں دنیا بھان کی خواکیں تھیں... پاکلیٹ اور شہد سے لے کر فیر اور گوشت اور دودھ وغیرہ تک میں اگر اگلے دس روز انہیں ہر وقت نوش کرتا رہتا تو بھی یہ ذمیہ

شتم نہ ہوتا۔

” اسے کھانے گا کون؟“

” تم دیکھنا کہ تم ہی کھاؤ گے؟“

اور واقعی دہ سب کچھ میں نے ہی کھایا کیونکہ مجھے خوارک کی شدید ضرورت پڑتی تھی۔

” کھانے کے بعد ہم آرام کریں گے...“

آرام تو خیر کیا کرنا تھا۔

” دیکھا تو وہ ایک نئے کی طرح خوش ہو کر کھنے لگی۔ یہاں میں کھلکھلتی نہیں۔“

مصر کے فرعون انسانوں اور جانوروں کو حنوط کر کے محفوظ کر لیتے تھے۔ اہل یورپ اپنے تمدیدی درستے کو حنوط کر لیتے ہیں، وہ اپنی تاریخ کے ایک ایک لمحے کا اور اس لمحے میں موجود تحریروں، تصویروں اور عمارتوں کو بھی اس طرح محفوظ کرتے ہیں کیونکہ وہ برس بعد انہیں اسی طرح تمام تفصیلات اور باریکیوں کے ساتھ زندہ کیا جا سکتا ہے۔

اس عمل کو ان کی عمارتوں میں دیکھئے کہ کیسے انہوں نے اپنے شہر اور قبیلے جدید دشمن سے بچا کر اسی طرز تعمیر میں محفوظ کئے ہوئے ہیں جو روزاً اول ان کی بنیاد میں تھا.....

دوسری جنگ عظیم میں بہت کچھ ملیا میٹ ہو گیا لیکن جنگ کے خاتمے پر مپلا کام یہ رہا کہ ان شہروں اور قبیلوں کے نتیجے تلاش کئے گئے اور پھر انہیں اسی طرز تعمیر میں دوبارہ

بنایا گیا... اہل یورپ قدامت کے شیدائی ہیں۔ دیکھتے مستقبل کی طرف ہیں اور سانس ماضی میں پسند کرتے ہیں۔ پتھر کی سڑکیں، پُرانے بُرج، قدریم گھڑیاں، فوارے اور تالاب... خاموش چوک اور گھیاں اور جریئم کے پھول... گھوڑا گاڑیاں... بُرلن کو سو منزہ لینے والا لوں نے بہت سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔

جیسی اور میں اس شہر کی رات میں نکلے اور ہم ایک عجیب خاموش اور پرانی دنیا میں نکلے۔ سڑکوں پر ٹرینیک ختم ہو رہی تھی۔ دو کامیں اور سٹور بند ہو چکے تھے اور ہم قدیم محاجابی برآمدوں میں چل رہے تھے۔ ہوا میں سردی کی کاث تھی اور ایک ایسا نہشہ اور تھابو پرانے زمانوں میں سامن لیتا تھا۔ اور ہم بھی شام کے اس شہر کی نہشہ تھے۔ رات میں سانش لیتے ہوئے قدیم ہوئے۔ میں زمین میں ہل چلانے والا ایک بخوبی کسان تھا اور وہ ایک خاشر پدوش تھی جس نے میری زمین پر اپنا خیمه لگایا تھا۔

آرام کے بعد جب میں شیو کر رہا تھا تو وہ مجھے دیکھتی رہی اور پھر گانڈ کرنے لگی ”نمیں میاں سے دوبارہ گرو... یہ ادھر پہنچاں ہیں... نہیں تم بھیک نہیں کرتے۔ اور صریحے دو“ اس نے ریز میرے ہاتھ سے لیا اور بڑے آرام سے اس حصے کی شیر بنا دی۔

ہم دریا کے پار گئے اور پل کے پہلو میں سے بیچے جاتی سیر چیزوں پر اترنے لگے۔ دریا کی سطح کے ساتھ ایک رینگ تھی اور اس کے ساتھ ساتھ میزیں بھی تھیں؛ یہ ایک درمیانے درجے کا ریستوران تھا۔ ہم دونوں شانت ہو کر بیٹھ گئے۔ پانی کا شو رہتا اور ایک بلند پل کے دوسری جانب شہر کی عمارتیں تھیں اور ان میں کہیں کہیں روشنیاں تھیں۔ ”نمیں میرا شہر پسند آیا؟“

”میں نے تمہا اس شہر ابھی دیکھا ہی کب ہے... دن کو تم قیدِ کھتی ہو اور رات کو یہ نظر نہیں آتا“

”کیا کرنا ہے کسی بھی پیز کو دیکھ کر... یہ سب تو پس منظر ہوتے ہیں اچھے یا بُرے...
اصلیت تو ہم دونوں ہیں.... میں ہر شے کو منفی کر دینا چاہتی ہوں سولٹے اپنے آپ کا
تماسے چھرے کے.... دیکھو یہ سب کچھ تو رہے گا۔ بدن اور اس کے تالاب اور پھول
لیکن ہم.... ہم تو نہیں ہوں گے... تو کیوں نہ ہم جو رہے گا اُسے بھول جائیں اُس
کی پرواہ نہ کریں اور صرف ایک دوسرے کو یاد رکھیں...“

”تم واقعی ایک بزرگ ہو اور بہت دانا فی کی باتیں کرتی ہو“ میں سہنے لگا۔ میں نے
دریا کے شور میں ایک طویل اور گھر اسامن اپنے اندر بھرا اور خوشی کی ایک ایسی ہوا کو
اپنے بدن پر چلتے محسوس کیا جو میرے روئیں کھڑے کرتی تھی۔ میں پہلی مرتبہ چپھی کی
موجود گی میں مکمل خوش تھا اور پہلی مرتبہ میرا جی چاہتا تھا کہ میں اسے دیکھتا رہوں۔ وہ
درست کرتی تھی کہ وہ مجھے اچھی لگے گی... لیکن میں نے اُسے اندر پیدا ہونے والی
راس تبدیلی کے بارے میں کچھ بتایا نہیں۔

کھانے کے بعد ہم اور پُرانے شہر میں آگئے۔ بازاروں میں بہت کم لوگ تھے
اور ایک دیرانی تھی جس میں ہم بے حد خوش تھے کیونکہ ہمیں کوئی نہیں پہچانتا تھا اور ہم
مفرد مجرموں کی طرح دل ہی ول میں خوش ہوتے تھے اور سر جوڑے سرگوشیاں کرتے
اور اکثر ٹھوکریں کھاتے پتھر لی گلکیوں میں چلتے جاتے تھے۔

جب ہم اپنے ہر مل داپس پہنچے تو نیچے استقبالیہ کمرہ اور راہداری تاریک پڑے
تھے۔ ہم اپنی بہنسی روکتے مجھے اپنے کمرے میں چلے گئے... اور ایسا لگا جیسے ہم
گھر آگئے ہوں۔

ہم بہت تھک چکتے تھے لیکن بہت زیادہ نہیں۔
میں نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔

”بیو قوف نہ پئے.... سب کچھ نظر آ رہا ہے کھڑکی بند کر دو“

میں نے فرما کھڑکی بند کر دی۔

”میں نے تمہیں کہا تھا ناں کر میں تمہیں اچھی لگوں گی؟“ اُس کے باریک ہوت پھیلے۔
”لیکن...؟“

”مجھے پتہ چل جاتا ہے.... تم نے آج مجھے اور طرح دیکھا ہے“ وہ سکرائے
جارہی تھی ”اور کیا تم جانتے ہو کہ میں کسی قسم کی کوئی خوشخبر استعمال نہیں کرتی اور اس کے
میں جو مہک ہے وہ میری اپنی ہے...“

واقعی وہ مہک اُسی کی تھی۔

ہم دن کے وقت بہت نکم باہر نکلتے۔ رات کو ہم پھر ملی گلیوں میں ایک ہو کر
چلتے یا بڑے پل کے عین نیچے لب دریا اُس رسنڈران میں جائیتے۔ میرے ساتھ اُس
کا بر تاؤ اس قسم کا تھا جیسے ہم ایک عرصے سے ساتھ رہ رہے ہوں بلکہ اولاد بیاہ کر
اب ریتاڑ زندگی بسر کر رہے ہوں۔ وہ ایک ذکر انی کی طرح میری خدمت کرتی اور
ایک حاکم کی طرح میرے بارے میں فصلے کرتی۔ اس کے اندر صرف دو جذبے تھے۔
عجت اور حسد.... وہ میری طرف ایک نظر دیکھنے پر راہ چلتی لڑکیوں کے گئے پڑ جاتی۔
یہ صورت حال کئی مرتبہ بہت ناڈک ہو جاتی.... چونکہ وہ جرمن میں بات کرتی تھی اس
لئے مجھے کچھ پہلے نہ پڑتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب معاملہ زیادہ بگڑ جاتا تو مجھے احساس
ہوتا اور میں اُسے بازو سے پکڑ کر زبردست ایک طرف لے جاتا۔
”وہ تمہاری طرف دیکھ رہی تھی...“ وہا بلتی ہوئی کہتی۔
”سب لڑکیاں تم جیسی نہیں ہیں جپسی“ میں اُسے سمجھا تا ”تمہارا وہم ہوتا ہے کہ
وہ سب میری طرف ہی دیکھ رہی ہو تھی ہیں“
”نہیں میں جانتی ہوں... یہ سب بہت بڑے کروار کی لڑکیاں ہیں اور وہ تمہارے
ساتھ...“

جیپسی کی اپنی ذاتی قیمتی تھی میرے بارے میں... اور وہ اسے تحقیقت مانتی تھی اس میں کوئی رود بدل نہیں کرتی تھی۔ اس کے ذہن میں یہ نہیں آتا تھا کہ مجھے دنیا کے اور کام بھی ہیں۔ مجھے اپنی پڑھائی مکمل کرنا ہے۔ واپس اپنے ملک جانا ہے.... نہیں اُس کا اپنا ایک لفظ تھا مستقبل کے بارے میں.... جیسے "ہو ٹل ایڈر" کا کمرہ ایک مکمل دنیا تھی اور اس میں سب دریا ایک ریستوران تھا اور پانی کی آواز تھی اور تاریکی تھی.... اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کوئی نہ تھا۔ میں آشنا کے بارے میں کچھ کہنے کی کوشش کرتا تو وہ ناراض ہو جاتی... میں بھی ایک ایسے شخص کی طرح تھا جس کا جہا زدوب پکا تھا اور وہ کسی دیران جزیرے میں پہنچ گیا تھا جہاں اُسے ساری آسانیں حاصل ہیں۔ اسے کوئی غم نہ تھا اور اُس کے آس پاس سوائے اس لڑکی کے اور کچھ نہ تھا۔ اگرچہ وہ اس جزیرے میں قید تھا لیکن اُسے یہ سب کچھ گوارہ محسوس ہوتا تھا.... برک کی لاکھوں کی آبادی میں ہم دونوں ایک جزیرے میں سچے "ہو ٹل ایڈر" کے ایک کمرے کے جزیرے میں جس کی کھڑکی سے سڑخ جو نیم لٹکتے تھے۔

اُن دونوں میرے پاس ایک سیاہ جیکٹ تھی جو میں دن رات سپنے رہتا.... یہ جیکٹ ایک سیاح اور آوارہ گھونسے والے شخص کے لئے بہت مناسب تھی۔ اس میں متعدد جیبیں تھیں جو زپ سے بند ہو جاتی تھیں اور سوٹر لینڈ کی سرو شاموں کے لئے گرم بھی تھیں۔ جب بھی ہم کمرے سے باہر جانے لگتے تو وہ کہتی "اچھا تواب تم اپنی پسندیدہ جیکٹ پہنون گے؟" اور اس فقرے میں اتنا زہر ملا حسد ہوتا جیسے اس نے کسی خیر لڑکی کو میرے بستر میں دیکھ لیا ہے۔

" یہ جیکٹ میری پسندیدہ نہیں ہے" میں بھتنا جاتا۔ بلکہ یہ میری واحد جیکٹ ہے اور باہر سردی ہے"

" ہونہہ باہر سردی ہے" وہ من کھول کر " ہونہہ" کرتی "تمہارے جسم کو بڑی

کیا کہ سکتی ہے؟"

"اتھی دبیر میں میں جیکٹ پہن لیتا اور وہ بڑپڑا تی رہتی" ہونہ... تمیں بہت پند
ہے اس لئے پہننے ہو۔ میرا جی چاہتا ہے میں ایک قینچی کے ساتھ اس کے نکڑے
نکڑے کر دوں... میں نظر کرتی ہوں تمہاری اس چینچی جیکٹ سے... اور جب
تم نے اسے پہنا ہو تو میرے قریب مت آؤ۔"
اس کے حد کی کوئی سرحد نہ تھی۔

میں کوئی بھی فقرہ کرنے سے پیشتر یہ دیکھ لیتا کہ کہیں اس میں کسی شے کے باسے
میں میری پسندیدگی کا عضر تو غاہر نہیں ہو رہا... میں کسی شے کی طرف زیادہ دیر
تک دیکھا رہتا تو اسے شک ہو جاتا....

کلاں ٹا در سے کچھ دور دریا کے قریب برلن کے مشوری یونیورسٹی۔

یونیورسٹی، برلن کا امتیازی نشان ہے چنانچہ یونیورسٹیوں کے جسم۔ تصویریں اور پرچم
ہر مقام پر دیکھے جاسکتے ہیں... اسی حالت سے سطح زمین سے نیچے ایک جگہ متعدد
یونیورسٹیوں اور ایل بول اپنے بچوں اور بوڑھوں کو یہ یونیورسٹیوں کا دکھانے آتے ہیں
اور اُس یونیورسٹی کھر کے چاروں طرف کھڑے ہو کر ان کو جہاں کجہاں کر دیکھتے رہتے
ہیں۔ ایک روز ہم دونوں بھی اور صر جانکے۔ ہم نے بھلی ہوئی مرنگ پھلی یونیورسٹیوں کے
لئے خریدی اور حسبِ محصول خود زیادہ کھائی اور بے چارے یونیورسٹیوں کو کم کھائی۔ ان میں
ایک بچہ یعنی یونیورسٹی کا بچہ بے حد مزیدار تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کا کہا نہیں مان رہا تھا
اور بار بار ایک بچوں سے تالاب میں پھلانگ لگا کر اپنے آپ کو بھگولیتا۔... مجھے
اس کا یہ انداز بہت پیارا لگا اور جب بھی وہ تالاب میں قلا بازی لگاتا میں ہنس
ہنس کر بے حال ہو جاتا۔ محتوظی دیر بعد میں نے حسوس کیا کہ جیسی میری اس بہشتی میں
شریک نہیں ہوتی۔ وہ میرا بازو پکڑے منہ پھلانے اس طرح کھڑی تھی جیسے اُسے

کوئی سزا دی گئی ہو۔

”کیا بات ہے؟ تمہیں یہ یہ کچھ کا بچھہ مزیدار نہیں لگ رہا... میرا جی چاہتا ہے کہ میرے پاس اس قسم کا یہ بچھہ کا بچھہ ہوا اور وہ میرے سامنے اس طرح چھلا گئیں لگتا رہے؟“ وہ خاموش کھڑی رہی... اور تب مجھے احساس ہوا کہ ایک بار بچھہ غلطی ہو گئی۔ مجھ سے یہ کچھ کے بچھے کو سپند کرنے کی غلطی ہو گئی تھی۔

ایک رات ہم واپس ہو ٹلیں میں آئے تو اس نے حسبِ معمول جیکٹ میرے گندھوں سے انٹاری۔ اُس کی جیبوں میں جو کچھ تھا وہ نکال کر میر پر پھینکا اور بچھہ کی کھوکھو کی جیکٹ سے انٹاری۔ اُس کے بعد اس نے بے پناہ محبت کرتی ہوئی، ”اُس نے سہنے ہوئے کہا مگر میں پھینک دی“ میں تم سے بے پناہ محبت کرتی ہوں؟“ اور میں بے حد خوش ہوں؟“

اگلی صبح وہ میرے بیدار ہونے سے پہلی بار ہر چیزیں گئیں۔ جب واپس آئی تو پہلے کی بنتی ہوئی ایک سیاہ جیکٹ پہنے ہوئے تھی جس کے بٹن بند نہیں ہو رہے تھے کیونکہ وہ اُس کے لئے بہت چھوٹی تھی۔

”یہ میری طرف سے ہے؟“ اُس نے جیکٹ اُنتر کر مجھے پہنادی۔

برن میں بھی موسم گرما میں کئی ایسے دن آتے ہیں جب دھوپ آپ کو کچھ دیر کے لئے بے آرام کرتی ہے۔ تیز چلنے سے پیسہ آجاتا ہے اور کپڑے اُتار دینے کو جی چاہتا ہے۔ پیاس محسوس ہوتی ہے اور فضایں ایک کمک ہوتی ہے۔ ایک بے چینی جو بہت پریشان کرتی ہے۔ تیز جو نیم کے قریب جائے پر مکھیوں کی بیٹھنا ہجڑ کا نہ میں آتی ہے... لگتا ہے کہ جسم میں کچھ حدت ہے جو بے چین کرتی ہے... یہ ایک ایسا ہی دن تھا... ہم شام پہلی مرتبہ دن دہائے اپنی پناہ گاہ سے نکل کر اس علاقے میں گئے تھے جہاں برن کا مشورہ کیا واقع ہے... یہ کلیا برن کا سب سے بڑا یونیورسٹی ہے اور دوسرے دور سے دکھائی دیتا ہے ہم سڑھیوں کے ذریعے اس کے خروطی مینار کی آخری منزل تک پہنچے۔ مینار کے گرد ایک گھیرے والے گیلدری تھی اور اس گیلدری کے یہ پہنچتے نیچے دو پوک تھا جس میں ریکھوں کے آہنی ٹھیٹے نصب ہیں۔ میں نے دیکھا کہ نیچے ہر طرف دھوپ تھی اور دیرانی تھی۔ بائیں ہاتھ پر دریا نظر آتا تھا اور اس کے کناروں پر درختوں کے جھنڈاں پھاڑیاں۔ ہم برن کے بلند ترین مقام پر کھڑے تھے۔ گیلدری پر دہ سرچ لاٹھ نصب تھیں جن کی مدد سے کلیا کی پرٹی منور کی جاتی ہے میاں بھی بہت گرفتاری۔ میں نے جیکٹ اُتار کر بازو پر ڈال لی۔

”میں اس سے پہلے کبھی یہاں نہیں آئی۔“ جیسی نے یونچے بھانکا ”آڈاپس چلتے ہیں مجھے یہاں اچھا نہیں لگ رہا۔“
”یہاں خاموشی ہے اور مکمل تنہائی ہے... تم یہی تو چاہتی ہو۔ اور پھر یہاں سے پورا بدن اور وہ پھاڑنے نظر تھے ہیں اور ایک جھیل بھی...“

”تم جلدی سے دیکھ لو پھر چلتے ہیں۔“

گیلری میں ہمارے سوا اور کوئی نہ تھا۔ جیسی یونچے بھانکنے کے بعد اب گیلری سے بیک لگائے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک ہلکا پھولدار فرک پہنا ہوا تھا جو قیمتی لباسوں کی طرح اس کے جسم پر ناکافی لگ رہا تھا... اس نے دونوں ہاتھ میرے سینے پر جمادیتے۔

”تمہیں پیدا نہ آ رہا ہے۔“ وہ بولی۔

گیلری سے یونچے سینکڑوں فٹ یونچے دھوپ میں منایا ہوا چوک تھا اور جیسی.....
اُس خواب کی ایک مددم پر چھا میں کہنیں سے تیرتی آئی... یہاں کون دیکھتا ہے... ہو سکتا ہے اس لڑکی کا کوئی منصوبہ ہو... ہو سکتا ہے یہ اس وقت ایک جسم نہ ہو وہ ہو تو پھر کیا ہو گا؟ میں اس پھوٹی سی عمر میں پھنس جاؤں گا۔ مجھے شادی کرنا ہو گی... اور میں ابھی بہت پھوٹا تھا اور... صرف ایک قربت جس میں ہم اتنے قریب ہوں کہ اُسے پتہ بھی نہ چلتے جب اُسے یونچے دیکھیں دیا جائے۔ یونچے... دھوپ میں دیوان چوک میں ریکھوں کے جھٹکوں کے پاس وہ گرے گی....

”آؤ یونچے جلدی“ میں نے اس کا باندھ پکڑ کر کہا۔

”آہستہ پکڑو“ وہ دیکھ کر اہامیتی کیا ہوا ہے؟

”کچھ نہیں“ میں نے مسکانے کی کوشش کی ”آؤ یونچے چلتے ہیں۔“

کیسیز ملانا سے برگرا دفتر پر فرائی خرید کر ہم دریا کے کنارے پھاڑی میرگاہ

میں چلے گئے۔ یہاں راستے تھے اور شستیں تھیں... ہم یہاں بھی پہلی مرتبہ دن کی روشنی میں آئے تھے۔ شام مہینیں برلن میں آئے ہوئے ایک ہفتہ لگر چکا تھا... یا شام میں ایک مہینہ... دنوں کا کچھ حساب نہ تھا... وقت کا ایک تسلسل تھا جس میں میں تھا تو جپی تھی اور میں... لیکن مجھے تو بہر طور یہاں سے جانا تھا... کب؟ جب جپی مجھے پھوڑے گی یا اجازت دے گی... یا جب میں خود اس کے سر سے آزاد ہونے کا فیصلہ کر لون گا۔

کافی کے بعد میں نشست پر بیٹھ گیا... اور پر درخت تھے اور ان کی چھاؤں بھلی لگتی تھی لیکن بازذل پر جیسے کوئی سرد ہوا سامن ہوں... دریا کی قربت ایک دھیما اور مسلسل شور تھا... جپی میری نئی جیکٹ گود میں رکھے مجھے دیکھ رہی تھی... شام میں مخوڑی دیر کے لئے اونچا گیا۔ میری آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور میں سُست محسوس کر رہا تھا۔

”میں تمارے ساتھ پاکستان جانا پا رہتی ہوں“

”کیا؟“ میں بڑا کر اٹھ پیدھا۔

”میرا بھی چاہتا ہے کہ میں تمara ملک دیکھوں۔“ وہ ایک گم شدہ انداز میں کھنگ لگی۔

”مجھے مشرقی کھانے اور مشرقی موسیقی پسند ہے اور مشرقی لوگ... میں مشرق دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”پُر اسرارِ مشرق؟“

”ہاں...“

”اسرارِ ختم ہو چکے اور ان کی جگہ اب مسائل میں...“ تم شام میں ما یوس ہو گئی۔

”منیں اگر تم میرے ساتھ ہو گے تو میں ما یوس منیں ہوں گی۔“

”میں تمہارے ساتھ منیں ہوں گا“ میں نے ایک ایک لفظ پر نظر دیتے ہوئے

کہا ”جپی میں تمہارے ساتھ شادی منیں کر سکتا۔“

اُس نے سر اٹھا کر میری آنکھوں میں کچھ دیکھا۔ اُن کے اندر چلی گئی جیسے جاننا چاہتی ہو کہ جو کہا گیا وہ پرع ہے یا نہیں اور پھر وہ فدا سا کپکپائی حالانکہ سردی شدیدی اور پھر سخیل گئی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

” دیکھو میں ابھی بہت چھوٹا ہوں... میں نے ابھی پڑھا فی مکمل کرنی ہے اور... مجھے دلن واپس جانا ہے... اور میں کچھ زیادہ عتماندا اور تیز بھی نہیں ہوں...“
” تم اگر میرے ساتھ شادی نہیں کر سکتے تو نہیں کر سکتے... بن؟“

” نہیں یہ اتنی آسان اور سیدھی بات نہیں ہے... یہ بہت مشکل ہے کہم دہاں اُس چھرستے سے گھر میں رہ سکو اور وہ کام کر سکو جو... اور دہاں یہاں کی آسامشیں نہیں ہیں... تمہیں پتہ ہے؟ میں نے اس کاموڑہ بہتر کرنے کی کوشش کی ” دہاں بس تباہ نہیں ہوتے بلکہ کیمیل سٹاپ ہوتے ہیں جہاں اونٹ اگر رکتے ہیں اور ان پر مسافر بیٹھ جاتے ہیں۔“

” میں بھی دوسرے مسافروں کی طرح بیٹھ جاؤں گی“ اُس نے سنبیدگی سے بجا ب دیا۔
” لیکن...“

” گُنو“ دہ ہولے سے بولی جیسے بیمار ہو ” تم بڑے ہو جاؤ گے تو میں بوڑھی ہو جاؤں گی...“
” میں اپنی ہنسی ش روک سکا... اس کا سراپا اتنا پرکشش اور بے دھڑک تھا کہ اسے بوڑھی کہنا ایک مذاق سے کم نہ تھا۔

” ہاں میں پرع کہتی ہوں... میں انتظار نہیں کر سکتی... تم... بھیک ہے تم کل چلے جاؤ... میں تمہارا پیچا نہیں کروں گی... وہ سر بھکارے بولتی رہی، شک اآنکھوں کے ساتھ بولتی رہی ” میں نے بہت کوشش کی ہے کہ تم مجھے پسند کرو لیکن ایسا نہ ہو سکا... میں تو اس بات پر بھی راضی ہوں کہ تم مجھے بے شک پسند نہ کرو لیکن ہم اکٹھے رہ لیکیں“

”میں تمہیں پسند کرتا ہوں... اور تم جانتی ہو“
 ”ہاں“ وہ مسکلائی۔ اس عمر میں سب لڑکیاں پسند آ جاتی ہیں اور خاص طور پر میرے
 ایسی لڑکیاں جن کی ڈکشنری میں ”ذ“ کا لفظ نہیں ہوتا... مجھے اس قسم کی پسندیدگی کا کوئی
 فائدہ نہیں... لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہیں کبھی بھی تمہارے آخری لمحوں تک کوئی اس
 طرح نہیں چاہئے گا جس طرح میں تمہیں اپنے پورے بدن سے اور سا شریں سے
 چاہتی ہوں اس لئے کہ میرے ایسا کوئی اور نہیں ہے... اور آئندہ زندگی میں کبھی
 بھی اگر تمہیں کوئی مصیبت درپیش ہو، کوئی مسئلہ ہو تو مجھے ضرور بتانا... تم بے شک
 کل چلے جاؤ میں تمہیں روکوں گی نہیں...“

میں نے شام کا پناہ گاہ سیک باندھ لیا۔

رات کے کھانے کے لئے ہم کیسینیو پلازا کے مشہور ریستوران کیسینیو میں گئے جو
 بہت بڑا تھا اور بہت منگلا تھا۔ پسی ایک نہایت سادہ لباس میں تھی اور بے حد
 پوکشش لگ رہی تھی۔

کھانے کے بعد ہم دیر تک دریا کے کنارے اس ریستوران میں بیٹھے مشروبات
 پیتے رہے۔ جیسی نے بیگ میں سے ایک سیاہ سویٹر نکال کر کا نہ ہوں پر ڈال لیا۔
 ہوٹل والی پسی جاتے ہوئے کیسینیو پلازا کے قریب ایک سٹور کے ٹرکیں میں ایک
 بہت دیدہ نیب سویٹر نظر آیا۔

”کیا تمہیں یہ سویٹر اچھا لگتا ہے؟“

”ہاں“

”تو صبح جانے سے پہلے میں اسے تمہارے لئے خرید لوں گا“

”یہ مجھے پڑا نہیں آئے گا“

”اور سائز بھی تو ہوں گے“

”میرا سائز نہیں ہوگا۔ میں بہت بڑی ہوں۔ بالکل سوس گانے۔ تم نہیں جانتے؟“

”بہر حال... میری خواہش تھی کہ میں تمہیں کچھ دوں...“

”تم مجھے کچھ دے سکتے ہو...“

”کیا؟“

”ہوتل میں چل کر بتاؤں گی“

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مجھے کچھ ذکر ہوا کہ یہ دنیا کل صبح ختم ہو جائے

گی۔ یہ گھرچین جائے گا اور میں پھر خالہ بد دش ہو جاؤں گا۔

”تم کپڑے پدل کر لیٹ جاؤ کیونکہ صبح تمہیں سفر کرنا ہے... کہاں جاؤ گے؟“

”زیورخ اور باسل کے راستے جرمیں“

”برنیشن سے ہر ایک گھنٹے بعد زیورخ کے لئے ٹرین ملتی ہے۔ ہم آنھے بجے کے قریب ہوتل سے نکل جائیں گے...“

رات کا کوئی پھر تھا، ہم سوئے نہیں تھے۔ وہ مجھ پر جکی کیا تم مجھے اپنا بچہ دے سکتے ہو؟“

میں ابھی کو بدیکھ گیا۔ وہ میری طرف اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے کوئی درجہ دنکر چادر فی پھونک مارنے سے پیشتر مریض کو دیکھتا ہے۔ سیاہ اور حکم دیتی ہوئی آنکھیں کیا تم میرے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے؟ میرے بازو میں کھبٹی انگلیاں مجھے اذیت دینے لگیں۔ ”میں اُسے شہزادوں کی طرح پا لوں گی“ وہ اس وقت ایک تنہذیب یافتہ سوس لڑکی نہیں لگ رہی تھی اور وہ تھی بھی نہیں۔ وہ بیپی تھی... ایک ایسی بیپی جو اپنے قدیم جذبوں کی نگہبانی کر رہی تھی، کہیں وہاں جدید سبکیوں میں کھو نہ جائے... وہ ڈری ہوتی تھی اور سمندری گھاس کی طرح مجھ پھر سے پیٹتی تھی۔

برن کے بیشش پروہہ مختوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے ایک گند ذہن
 طالب علم کی طرح کھڑی تھی.... آپ کو معلوم ہے کہ آج رات جھیل نصی کے کنارے
 ... میراڑ کیک ٹرین کپار ٹمنٹ میں رکھا تھا اور میں باہر پیٹ فارم پر اُس کے
 سامنے کھڑا تھا اور جیسے کوئی جرم کیا ہوا یہے کھڑا تھا... اس کا چہرہ بالکل سپاٹ
 تھا اس پر کچھ نہ تھا، نہ رنگ، نہ غصہ، نہ افسوس اور نہ کوئی ذکر نہ تکھ... اُس کی
 آنکھیں بالکل خالی تھیں۔ میں ٹرین میں سوار ہوا تو وہ وہیں کھڑی رہی ایک گند ذہن
 طالب علم کی طرح انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے... میں نے حرکت کرتی ٹرین میں
 سے اُسے با تھہ لایا مگر وہ ساکت کھڑی رہی اور پھر وہ بہت پیچے رہ گئی جیسے بہت
 دودر پیچے ہو۔ کہیں دھوپ میں ہنا شے ہوئے ایک چوک میں گرتی ہوئی... مجبس درکتہ۔

زیویخ اتنا بڑا اور پھیلا ہوا شہر تھا کہ برلن کی خاموشی کے بعد میں اس میں گم ہو گیا۔ اور یوں بھی میں ایک گمشدہ بچپن تھا۔ اپنے ماں باپ اور گھر سے دور۔ اب مجھ میں خوف تھا پسیے میرے تن پر کوئی لباس نہیں اور میں سردی میں ٹھہر رہا ہوں۔ میں ہر شخص کو اور ہر شے کو خوفزدہ نظروں سے تکتا تھا کہ مجھے کچھ مت کہنا میں راستہ بھول گیا ہوں۔ میں ایک گھر میں رہتا تھا جو جپسی نے میرے لئے بنایا تھا اور اُس کی حفاظت میں رہتا تھا اور اب میں بے گھر ہوں۔ اگرچہ مجھے اُس سے محبت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود اس نے میری مسٹر توں کو سچوڑ لیا تھا۔ میں اب بے رنگ اور پھیکا پڑ چکا تھا۔ میں زیویخ میں ٹھہرنا تو نہیں چاہتا تھا لیکن مجھے اس شہر میں ایک ضروری کام تھا۔ انگلستان سے روانگی سے پیشتر میں نے اپنے ایک عزیز دوست کو کچھ رقم دی تھی کہ اگر مجھے یورپ میں ضرورت پڑ گئی تو تم فوری طور پر یہیک ڈرافٹ وغیرہ کی صورت میں مجھے روانہ کر دینا۔۔۔ اگرچہ برلن میں تمام اعزاجات جپسی نے اپنے ذمے لئے تھے لیکن اس کے باوجود میں وہ تمام ٹریونگ پیک خرچ کر چکا تھا جو میرے خیال میں پورے سفر کے لئے کافی تھے چنانچہ میں نے اپنے عزیز دوست کو فوری طور پر لکھا کہ وہ میرے پیسے تھا میں لگ ایں ڈنر زیویخ کے پتے پر بیسچ دے۔

میں زیورخ پہنچا تو میرے پاس بھیل کے کنارے واقع زیورخ کی کمپینگ تک پہنچنے کے لئے بھی کراچیہ نہ تھا۔

کمپینگ کے مالک سے میں نے درخواست کی کہ وہ صرف شام تک مجھے مملکت دے تاکہ میں شہر واپس جا کر تھامس گنگ کے دفتر سے اپنی رقم وصول کر کے اُسے ایڈان ادا بھیگ کر سکوں اور... کیا وہ صرف دس فراںک ادھار دے سکتا ہے تاکہ میں دوپر کا کھانا کھا سکوں؟ کمپینگ کا مالک ایک ایک ہنپنگھ اور دیسیے مڑاچ کا شخص تھا۔ اس نے دس فراںک میری ہتھیلی پر رکھے اور کہنے لگا "اگر مزید رقم کی ضرورت ہو تو بیانکفت کہنا...؟"

کمپینگ کے ریستوران سے دوپر کا کھانا کھا کر میں واپس شہر چلا گیا۔ زیورخ کی بھیل، جنیو اکی بھیل سے بہت مختلف تھی... یہ بہت بڑی اور کچھ میغ بہت مڑاچ کی تھی۔ اس کے کناروں پر گھنی آبادیاں اور سڑکیں تھیں اور خلق خدا کا سندھ مٹاٹھیں مارتا تھا۔ مجھے کہیں بھی کوئی ایسا کنارہ نظر نہ آیا جو پسکون ہو اور جہاں لوگ آرام سے سومنگ کر رہے ہوں... دراصل زیورخ ایک شدید کار دباری شہر ہے اور کار دباری شہروں کا مڑاچ ایک سا ہوتا ہے، سردار بے رحم۔

تھامس گنگ ایڈن سٹریٹ کے دفتر میں میرے نام کا خط میرا انتظار کر رہا تھا... پیش میرے عزیز دوست نے بھیجا تھا اور اس کی عبارت کا خطاط کہ کچھ یوں تھا کہ میرے پیارے دوست امید ہے کہ تم اپنے یورپی سفر سے خوب لطف اندوں ہو رہے ہو گے۔ تمہارا خط ملا، اچھا تو تمہارے پیسے ختم ہو گئے ہیں۔ بھیک ہے میں تمہیں بیچ دیتا ہوں لیکن تم ذرا یہ لکھ بھیجو کہ رقم منی آرڈر کے ذریعے روشن کر دوں یا بنیک ڈرافٹ بھیجوں... یا کیش لفافے میں ڈال کر روشن کر دوں... اور ہاں ظاہر ہے تم زیورخ میں توہینیں... ٹھہرے رہو گے فوراً خط لکھو کہ تمہارے پیسے کون سے پتے پر روشن کیے جائیں...

تمہارا عزیز دوست....

میری ٹانگیں لرزنے لگیں۔ اب کیا ہو گا؟ میرے پاس تولات کے کھانے کے لئے بھی پیسے نہیں اور مجھے ابھی آدھا یورپ جو رکر کے انگلتان واپس پہنچنا ہے... کیسے پہنچوں گا؟ کیا کر دیں گا؟ میں اگر اپنے عزیز دوست کو خط لکھتا ہوں تو وہ تقریباً ایک شنستہ سک اسے پہنچاتا ہے۔ پھر وہ مجھے اگر فوراً رقم بھیجا ہے تو مزید ایک ہفتہ... لیکن مجھے کم از کم دو ہفتے زیرِ خیں مٹھرا نہ تھا کھائے پسے بیٹھا اور کھلے آسمان تک کینونکہ میں مکمل طور پر قلاش تھا۔ اور پھر اس کی کیا گارنٹی ہے کہ میرا خاطر بروقت پہنچ جائے گا اور مزدور پہنچ جائے گا اور میرا عزیز دوست کہیں جائے گا میں اس دوران اور دوسراؤ رقم بھیج دے گا... لکڑیاں سلاگ رہی تھیں اور دھواں پھیل رہا تھا۔ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا.... اور ہاں اس میں جو کمال کی بات تھی وہ یہ تھی کہ میرا دیزا بھی ختم ہو۔ رہا تھا اور میں زیرِ خیں میں زیادہ سے زیادہ چار پانچ دن مٹھرا سکتا تھا اور اس کے بعد مجھے سوٹھر لینڈ سے نکلا تھا کینونکہ دیزا بڑھوانے کے لئے بھی تورقہ درکار ہوتی ہے۔ میں ایک ایسے پتے کی طرح تھامس گگ کے دفتر سے باہر نکلا جسے شراری بچکوں نے گلے میں رستی باندھ کر گندی نالی میں گھسیتا ہو... باہر زیرِ خیں ایسا نیٹ ایبل اور خوبصورت شہر بالکل سیاہ ہو چکا تھا اور ہر طرف اوسی اور بھوک تھی۔ ہر شے سماں ہو رہی تھی... چیزوں کے رنگ نہیں تھے اور میں دنیا کا مظلوم ترین شخص تھا۔ چند لمحے پہلی میں ایک ریسٹوران کے آگے سے گذر گیا تھا کچھ سوچے سمجھے بنتی ہوں گے اب جب کہ میں فلائلش تھا اُسی ریسٹوران کے قریب پہنچ کر میرے قدم آہستہ ہو گئے۔ یہاں اندر ایک گرم آسودگی کے ماحول میں لوگ کھانا کھا رہے ہوں گے اور میرے پاس استہ پیسے نہیں کہ ایک ڈبل روٹی خرید سکوں۔ کیمپنگ پہنچ کر میں اپنے شیئے میں لیٹ گیا... میں کیا کر دیں... عام حالات میں شام

بھے اس وقت اتنی بھوک نہ محسوس ہوتی لیکن اب بھے یوں لگتا تھا جیسے میں کئی روز سے بھوکا ہوں... میں نے اپنے وکیل کی تلاشی لی کہ شائد دوچار فرانک کا کوئی نزٹ ادا صراحت پڑا ہو۔ لیکن وہاں کچھ نہ تھا... کہاں اسٹرالیا کن اور برلن کے دن اور اب زیورخ میں مکمل بے بھی کے لئے... اس سفر کے دوران میری ملاقات ایک ایسے نوجوان دیست انڈین سے ہوتی جس کا بیان تھا کہ وہ جب بھی سفر کرتا ہے صرف مکث کے پیسے خرچ کرتا ہے اور خوار ک اور چھٹ خلائق کی طرف سے تھنکے کے طور پر ملتی ہے... یہ کیسے ممکن ہے؟ میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ شام کے وقت کسی بھی معروف مرکز پر کھڑا ہو جاتا ہے اور متعدد خواتین و حضرات کو روک کر کوئی راستہ پر چھٹا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ پتہ نہیں میں وہاں پہنچتا ہوں کر نہیں اور میں بے حد تھکا ہوا ہوں... ہائے ہائے اس ملک میں تیار ہوں کا کوئی حال نہیں... بقول اس کے صرف پاسخ دس ملٹ کے اندر اندر کوئی نہ کوئی خدا کا بندہ یا بندی اسے اپنے گھر لے جاتا اور ظاہر ہے کہاں بھی مہیا کرتا... میں نے سوچا کہ اگر اس فارمولے پر عمل کیا جائے تو شام میجھے بھی کامیابی نصیب ہو... لیکن مسئلہ ایک رات گزارنے یا صرفہ زیورخ میں قیام کا شر تھا بلکہ انگلستان واپسی کا بھی تھا۔ اگر میں مانگ تانگ کر لے آف بالیڈ پہنچ جاتا ہوں جہاں سے فیری پہنچتی ہے تو فیری کے مکث کی رقم کہاں سے لاوں گا... تب میں نے جپسی کے بارے میں سوچا۔

کیمپنگ کا مالک سورج میں پڑ گیا... "تمہیں کتنی رقم درکار ہے؟"
دو تین روز کے کھانے کے لئے، اتنے ہی دن شیئے کے کرائے کے لئے اور ایک میلی گرام کے لئے اس نے پچاس فرانک کا ایک نزٹ جیب میں سے نکالا۔ اُسے خاصی دیر غور سے دیکھتا رہا جیسے جی بھر کے دیکھ دیا ہو کہ یہ تواب واپس آنے

سے زہا اور پھر میری طرف بڑھا دیا۔ اور تمہارا پاس پورٹ میرے پاس رہے گا۔“
اور میرا خیسہ بھی جو آپ کی کمپنگ میں نسبت ہے...“ میں نے اس کا شکریہ ادا
کیا اور فوراً نزدیکی پورٹ آف کاؤنٹ کیا۔ یہاں سے تار بھرائی جا سکتی تھی... انشاً اللہ
کمپنگ کی معرفت جیسی کہ میں نے لکھا کہ میں زیورخ میں پیوں کے بنیز ہوں اور کیا وہ
والپی ڈاک مجھے کچھ رقم روکر سکتی ہے؟

اگلے روز گیارہ نجے ایک ٹیلی گرام، ایک تفصیلی خط اور پانچ سو فرانک کا ڈافٹ
مجھے پہنچ گیا۔“ میں خود آنے لگی تھی لیکن میں نے سوچا کہ تم نے پیسے نانگے ہیں
مجھے نہیں... اور تم یہ رقم والپیں نہیں کرو گے کیونکہ یہ تمہاری ہے... ہاں اگر تم
سلانکا آسکو تو میں تمہارا انتظار کروں گی...“

جیسی نے ایک خوفناک دلدل میں سے مجھے نکال لیا تھا۔

زیورخ اور اس کی بھیل ایک مرتبہ پھر خوبصورت دکھائی دینے لگی۔
میں نے کمپنگ کے مالک کا ادھار والپیں کیا۔ پھر شہر جا کر ایک انتہائی منگے
رستوران میں ایک شاندار ٹیک اور میرہ بھر فرنچ فرانشی کھائے... اب میں آرام سے
بے نظری کے ساتھ انگلستان لوٹ سکتا تھا... اور میں لوٹ گیا۔
